اسلام میں تصوّرِ حق کی فکری اساس اور حق کی اقسام واحکام

The "Right" in Islam: Conceptual Basis, Classification, and Rulings

☆ ڈاکٹر محی الدین ہاشمی

ABSTRACT

In Islamic legal thought, the concept of "right" is originated from the Creator Himself, who has granted human being innumerable rights such as right to live and right to free choice. Man cannot freely and discriminately use these rights as by doing so he will be creating mischief on the earth. That is why he is bound to observe restrictions associated with his rights as stipulated in Islamic Shar?'ah. His rights are not of absolute nature. His rights are governed by the concept that he is the trustee who is accountable to Allah for all his deeds. As a trustee, he does not have unlimited authority, according to Shri'ah, to exercise his own rights in any manner whatsoever or to abuse his rights; he has to rather follow the guidelines and instructions given by the Absolute Owner & the Source of all rights, the Almighty Allah. This article is a humble attempt to discuss and analyze the concept of "right" in Islamic fiqh with its various kinds as described by mainstream Islamic jurists, the hierarchy of rights, the interrelationship of different kinds of rights and the consequences of these rights upon those addressed in Shari'ah.

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فکرِ اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلام میں انسانی حقوق عطیۂ خداوندی اور شریعتِ اسلامیہ سے ماخوذ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فرمائی اور اس کے ساتھ ہی اسے زندہ رہنے کا حق بھی عطا کیا، اسے جملہ مخلوقات پر فضیلت دی، قوتِ ارادہ عطا فرماتے ہوئے اسے مختلف افعال وتصرّفات کے حقوق دے کر منصبِ خلافت پر متمکّن فرمایا[۱] اور پھر افعال وتصرّفات کی آزادیوں کو انفرادی واجتماعی مصالح کے پیشِ نظر مسئولیتِ شرعی سے بھی وابستہ کر دیا۔ چونکہ انسانی حقوق وآزادیاں خالقِ کائنات کا عطیہ ہیں اس لیے ان کی پاسداری واحترام کا جذبہ فطری طور پر انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے جو کہ ایمان باللہ سے متفرّع ہے۔ انسان باوجود ان حقوق اور آزادیوں کی عدم رعایت پر قادر ہونے کے ایسا نہیں کرتا، جب کہ انسان کا خود ساختہ قانون اس خصوصیّت سے عاری ہوتا ہے۔

شارع کے ودیعت کردہ حقوق کی ایک خصوصیّت یہ ہے کہ یہ نا قابلِ ترمیم اور نا قابلِ تنسیخ ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ نسخ (Abrogation) اور ترمیم (Amendment) خود شارع ہی بذریعہ وحی کر سکتا ہے جو کہ اب ممکن نہیں۔ اس کے برعکس انسان کا بنایا ہوا قانون اور اس سے ماخوذ حقوق وآزادیاں کسی بھی وقت سلب ہو سکتی ہیں۔

شریعت کے عطا کردہ حقوق کی ایک اہم خصوصیّت یہ ہے کہ یہ انتہائی متوازن، معتدل اور انصاف پر مبنی ہیں اس لیے کہ ان کا ماخذ خود خالقِ کائنات ہے جو انسانی ضروریات اور صلاحیتوں سے مکمل طور پر باخبر اور ان تعصّبات سے مبرّا ہے جو انسان کو افراط وتفریط کی طرف لے جاتے ہیں۔

حق کا لغوی مفہوم:

لغت میں حق کے مختلف معانی ہیں جو ایک ہی مفہوم یعنی ثبوت اور وجوب کے گرد گھومتے ہیں۔ لسان العرب میں اس کو یوں واضح کیا گیا ہے:

"وحَقَّ الأَمرُ يَحِقُّ ويَحُقُّ حَقّاً وحُقوقاً صار حَقّاً وثَبت قال الأَزهرى معناه وجَب يَجِب وُجُوباً۔ حَقَقْتَ الأَمر وأَحْقَقْته إذا كنت على يقين منه"[۲]

صاحب "القاموس المحیط" نے لکھا ہے:

"الحَقُّ من أسماء اللهِ تعالى، أو من صِفاتِهِ، والقُرآنُ، وضِدُّ الباطِلِ، والأمر المَقْضِيُّ، والعَدْلُ، والإِسْلامُ، والمالُ، والمِلْكُ، والمَوجود الثابِتُ، والصِدْقُ"[۳]

(یعنی لفظ "حق "اللہ تعالیٰ کے اسماء یا صفات میں سے ہے۔اس کا اطلاق قرآن،ضد باطل،مطلوبہ امر،عدل، اسلام،مال،ملک،موجود،ثابت اور سچ پر بھی ہوتا ہے)۔

قرآنِ مجید میں اس لفظ کے استعمال کی چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾(۴)

(درحقیقت اُن کے اکثر لوگوں پر ہمارا فرمان (سچ) ثابت ہو چکا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔)

﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾(۵)

(تا کہ اللہ (معرکہء بدر کی عظیم کامیابی کے ذریعے) حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے)

﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾(۶)

(اور فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔)

﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾(۷)

(اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق مناسب طریقے سے خرچہ دیا جائے، یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے۔)

حق کا اطلاق مقررہ حصہ پر بھی ہوتا ہے۔ارشادِ باری ہے:

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ O لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾(۸)

(وہ ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے؛ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا۔)

نیز حق کا اطلاق عدل پر بھی ہوتا ہے:

﴿وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ﴾(۹)

(اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے)

حق کا اصطلاحی مفہوم:

علمائے اصول نے حق کے مفہوم میں دو نقاط ہائے نظر اختیار کیے ہیں۔ پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حق حکم کا نام ہے اور حکم شارع کے اس خطاب کو کہتے ہیں جس کا تعلق مکلّفین کے افعال سے ہوتا ہے۔(۱۰) علماء اصول نے اس کی یوں وضاحت کی ہے:

"الحكم هو خطاب الله تعالى المتعلق بأفعال المكلفين بالاقتضاء و التخيير"(۱۱)

(حکم اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب ہے جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہے جو بصورت امر، نہی یا تخییر کے ہو سکتا ہے۔)

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ حق حکم کا اثر ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تائید اس حدیثِ صحیح سے ہوتی ہے:

"فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا"(۱۲)

(اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہراتا ہو۔)

ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ حق بندے کا وہ فعل ہے جو شارع کے خطاب سے متعلق ہے، خود خطابِ شارع نہیں ہے۔ یعنی حق کا تعلق شارع کے امر و نہی سے ہوتا ہے خود نفسِ امر اور نفسِ نہی پر حق کا اطلاق نہیں ہوتا۔

متأخرین فقہاء نے حق کی تعریف یوں کی ہے:

"الحق هو الحكم الثابت شرعاً"(۱۳)

(حق وہ حکم ہے جو شرعاً ثابت ہو)۔

لیکن یہ تعریف اس اعتبار سے جامع نہیں ہے کہ یہ ان تمام حقوق کو شامل نہیں جنہیں فقہاء حقوق میں شمار کرتے ہیں، کیوں کہ گاہے مالِ مملوک پر بھی حق کا اطلاق ہوتا ہے حالانکہ وہ حکم نہیں ہے، نیز ملکیت اور قانونی وصف پر بھی حق کا اطلاق ہوتا ہے جیسے حقِ ولایت، حقِ حضانت (۱۴) اور حقِ خیار (۱۵)، جائیداد کے متعلقات مثلاً راستہ، آبپاشی اور نکاسیٔ آب وغیرہ کے حقوق پر بھی حق کا اطلاق ہوتا ہے، معاہدات پر مرتب ہونے والے نتائج پر بھی حقوق کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً خرید و فروخت کے معاہدے میں مال تجارت یا قیمت ادا کرنے کی ذمہ داری۔ (۱۶)

استاذ السنہوری کے بقول:

"مصلحة ذات قيمة مالية يحميها القانون"(۱۷)

(مالی قیمت رکھنے والی ایسی مصلحت جسے قانونی تحفظ حاصل ہو۔)

استاذ علی الخفیف حق کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"ماثبت لانسان بمقتضى الشرع من اجل صالحة"۔[۱۸]

(جو کسی نیک مقصد کے لیے انسان کے لیے مقتضائے شرع کے مطابق ثابت ہو)

استاذ مصطفیٰ زرقاء نے حق کی تعریف یوں کی ہے:

"الحق هو اختصاص يقرر به الشرع سلطةً أو تكليفاً"۔[۱۹]

(حق اس اختصاص کو کہتے ہیں جسے شریعت مقرر کرتی ہے، خواہ وہ اختیار کے اعتبار سے ہو یا ذمہ داری کے اعتبار سے۔)

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی کے بقول حق کی یہ تعریف حقوق کی تمام اقسام کو جامع ہے، حقوق دینی نوعیت کے ہوں، مثلاً اللہ کا بندوں پر حق، نماز، روزے وغیرہ یا شہری حقوق ہوں، مثلاً حق ملکیت یا ادب و احترام سے متعلق ہوں جیسے بیٹے پر باپ کا حقِ اطاعت یا بیوی پر شوہر کا حقِ اطاعت یا عمومی حقوق ہوں جیسے حکومت کا شہریوں پر حق یا مالی حقوق ہوں جیسے نفقہ یا غیر مالی ہوں جیسے کسی کی ذات پر حقِ ولایت، سب ہی اس میں شامل ہیں۔ گویا حق کسی متعین شخص کے ساتھ خصوصی تعلق کا نام ہے جیسے کہ فروخت کرنے والے کا مالِ تجارت کی قیمت کے اختصاص کا حق۔ اگر تعلق کسی خاص شخص سے نہ ہو بلکہ عام ہو جیسے کہ شکار کرنا، جنگل سے لکڑیاں کاٹنا، رفاہ عامہ کی چیزوں سے مستفید ہونا تو اُسے حق نہیں کہتے بلکہ وہ عوام النّاس کے لیے اجازت کہلاتی ہے۔[۲۰]

استاذ مصطفیٰ الزرقا کی تعریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں حق کا منبع اور مصدر خود شریعتِ اسلامیہ ہے۔ کوئی شرعی حق بلا دلیل ثابت نہیں ہوسکتا، پس حق کا منبع اور مصدر ذاتِ الٰہی اور اس کی عطا کردہ شریعت ہے کیوں کہ اس کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے اور اس کے سوا کسی کو قانون سازی کا حقیقی معنوں میں استحقاق نہیں ہے۔

حق کی اقسام و احکام:

فقہاء نے حق کی مختلف اعتبار سے تقسیم کی ہے اور ہر قسم پر مرتب ہونے والے احکام کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

صاحبِ حق کے اعتبار سے حق کی اقسام

صاحبِ حق کے اعتبار سے حق کی تین انواع ہیں:

اللہ کا حق بندے کا حق مشترک حق (یعنی ایسا حق جس میں اللہ اور بندے دونوں کے حقوق جمع ہو جاتے ہیں۔)

ا۔ حق اللہ:

حق اللہ کا اطلاق اس حق پر ہوتا ہے جس کا نفع معاشرے کے ہر فرد کے لیے عام ہو اور کسی خاص فرد کے لیے مختص نہ ہو۔ حق اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے بھی کی جاتی ہے کہ کوئی شخص اسے اپنے لیے خاص نہ کر دے جیسے بیت اللہ کی حرمت کہ اس سے پوری انسانیت کی مصلحت متعلق ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں اسے قبلہ بناتے ہیں۔ اسی طرح حرمتِ زنا کہ اس سے پورے معاشرے کی مصلحت وابستہ ہے اور سلامتیٔ نسب کا عام نفع پایا جاتا ہے۔

حقوق اللہ چونکہ اپنی عظمتِ شان، عمومِ نفع، اثر آفرینی اور فضیلت کی وجہ سے اہم ہیں لہٰذا ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے۔[۲۱] یہ نسبت اپنے حقیقی معنوں کے اعتبار سے نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی شے سے نفع اٹھانے سے پاک ہے۔

حق اللہ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

حق اللہ سے مراد وہ حق ہے جس میں اللہ کے قُرب، اس کی عبادت و تعظیم اور شعائرِ دین کی اقامت کی نیّت ہو یا لوگوں کے عمومی نفع کا مقصد پیشِ نظر ہو، کسی ایک شخص کا مفاد پیشِ نظر نہ ہو، یعنی یہ پورے معاشرے کے حقوق ہوتے ہیں۔ اللہ کا قُرب اور شعائرِ دین کی اقامت، جیسے ایمان، مختلف عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، نذر، قسم، جانور ذبح کرتے وقت اور ہر اہم کام شروع کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا۔ اسی طرح عمومی نفع جیسے جرائم سے رُکنا اور حدود کا نفاذ اور مختلف جرائم کے ارتکاب پر تعزیری سزائیں اور رفاہِ عامہ سے متعلق امور مثلاً نہریں، راستے اور مساجد وغیرہ کی حفاظت جو کہ معاشرے کے لیے لازمی ضرورت کی چیزیں ہیں حقوق اللہ کی مثالیں ہیں۔[۲۲]

احناف کے نزدیک حق اللہ کو نہ تو معاف کیا جا سکتا ہے، نہ اس پر صلح ہو سکتی ہے، نہ اس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے تبدیل کرنا جائز ہے۔ جب چوری کا مقدمہ حاکم کی عدالت میں پہنچ جائے تو جس کی چوری ہوئی ہے اس کے معاف کرنے سے یا چور کے ساتھ مصالحت کرنے سے حدّ سرقہ معاف نہیں ہوگی اور شوہر کے کسی دوسرے کو معاف کر دینے سے یا عورت کے اپنے آپ کو پیش کر دینے سے حدّ زنا معاف نہیں ہوگی۔ حق

اللہ میں وارثت کے احکام بھی نہیں چلتے، اگر کسی شخص کی عبادات قضا ہو گئیں تو اس کے مرنے کے بعد وہ وارثوں پر واجب نہیں ہوں گی، ہاں اگر وہ فدیہ دینے کی وصیّت کر جائے تو الگ بات ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے جرم کی ذمہ داری اس کے ورثاء پر نہیں آتی۔ نیز اللہ کے حقوق میں تداخل (۲۳) جاری ہوتا ہے، مثلاً کسی شخص نے کئی بار بدکاری کی یا کئی بار چوری کی اور اُسے ہر دفعہ سزا نہیں ملی تو ایک ہی سزا دی جائی گی کیوں کہ سزا کا مقصد تنبیہ اور جرم سے باز رکھنا ہے اور یہ مقصد ایک بار کی سزا سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے حقوق سے متعلق جرائم پر سزا دینا حاکم کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

۲۔　حق العبد (بندے کا حق):

بندے کے حق کو شریعت نے انسانی مصلحت کے تحفظ کے لیے مقرر کیا ہے، یہ حق بعض اوقات عام ہوتا ہے، مثلاً جان اور مال کا تحفظ، امن وامان کا قیام، جرائم کی بیخ کنی، ظلم کا خاتمہ اور ریاست کے وسائل سے استفادہ وغیرہ۔ حق العبد خاص بھی ہوتا ہے مثلاً مالک کا اپنی ملک میں حق، خریدار کا مالِ تجارت میں اور فروخت کرنے والے کا قیمت میں حق، مقتول کے ورثاء کا دیت لینے کا حق، قرض دہندہ کا قرض کی وصولی کا حق، کسی شخص کا مال تلف ہونے پر تاوان وصول کرنے کا حق، غصب شدہ مال کی واپسی کا حق، عورت کا شوہر سے نفقہ وصول کرنے کا حق، ماں کا اپنے بچے کی پرورش کا حق، باپ کا اپنی اولاد پر ولایت کا حق وغیرہ۔

حق العبد کا حکم یہ ہے کہ صاحبِ حق اپنے حق سے دستبردار سکتا ہے، اسے معاف کر سکتا ہے، اس پر مصالحت کر سکتا ہے اور کسی کو حق کی ادائیگی سے بری کر سکتا ہے۔ اس حق میں وراثت جاری ہوتی ہے اور تداخل (۲۴) نہیں ہو سکتا اور ہر دفعہ کے جرم پر الگ سزا دی جاتی ہے۔

۳۔　حقِ مشترک:

حقِ مشترک سے مراد وہ حق ہے جس میں اللہ کا حق اور بندے کا حق دونوں جمع ہوں۔

اصولی طور پر تو کائنات اور اس میں موجود ہر شے کے مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں اور انسان کو تفویض کردہ جملہ حقوق کا مبداء ومصدر بھی وہی ہے، اس لیے حقوق چاہے جس نوعیت کے بھی ہوں ان میں حق اللہ ضرور شامل ہوگا۔ تاہم فقہاء کی بیان کردہ تقسیم سے مراد یہ ہے کہ جن حقوق میں اللہ یا بندے کا حق حد درجہ غالب ہو انھیں حق اللہ یا حق العبد کہا جائے گا جبکہ جہاں دونوں طرح کے حقوق قابلِ ذکر تناسب سے جمع ہوں انھیں حقِ

مشترک کا نام دیا گیا ہے۔ حقِ مشترک میں یا تو اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہوتا ہے یا بندے کا۔ اللہ کا حق غالب ہونے کی مثال مطلّقہ کی عدّت ہے۔ اس میں اللہ کا حق یہ ہے کہ نسب کو خلط ملط ہونے سے تحفّظ فراہم کیا جائے اور بندے کا حق یہ ہے کہ اس کی اولاد کے نسب کی حفاظت ہو، لیکن اس میں اللہ کا حق غالب ہے، کیوں کہ نسب کی حفاظت فردِ واحد کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری امت کے عام نفع کے لیے ہے۔ انسانی زندگی، عقل، صحت اور مال کا تحفظ بھی اس کی مثالیں ہیں کہ ان میں دونوں حقوق جمع ہیں لیکن اللہ کا حق غالب ہے کیوں کہ اس میں سارے معاشرے کا عام فائدہ ہے۔ احناف کے نزدیک حدِّ قذف(۲۵) بھی اس کی مثال ہے کہ اس میں دونوں حقوق موجود ہیں۔ متہم (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) کا حق ہے کہ اس پر سے الزام دور کیا جائے اور اس کی عزت واحترام کا دفاع کیا جائے اور اللہ کا حق یہ ہے کہ معاشرے کے افراد کی عزت و ناموس کا تحفظ کیا جائے اور زمین کو فساد سے محفوظ کیا جائے۔ اس مثال میں بھی اللہ کا حق غالب ہے۔

اس نوع کے حق کا حکم حق اللہ کی طرح ہے، کیوں کہ اس میں حق اللہ غالب ہے۔

بندے کا حق غالب ہونے کی مثال حقِ قصاص ہے جو مقتول کے ولی کو حاصل ہوتا ہے۔ اس میں اللہ کا حق یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق، جس کا خون اس نے حرام قرار دیا ہے، اس کے ساتھ زیادتی ہے اور یہ بھی کہ معاشرے کو قتل ایسے گھناؤنے جرم سے پاک کیا جائے۔ اس میں انسان کا حق اس طرح ہے کہ قتلِ عمد مقتول پر زیادتی ہے کیوں کہ اسے زندہ رہنے اور زندگی سے لطف اندوز ہونے کا حق حاصل تھا جو قاتل نے چھین لیا، علاوہ ازیں یہ مقتول کے ورثاء کے ساتھ بھی زیادتی ہے کیوں کہ اس نے انھیں مقتول سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا لہٰذا وارث کا حق ہے کہ قاتل کو قتل کر کے اپنے جذبۂ انتقام کو ٹھنڈا کرے اور مظلوم کو مطمئن کرے۔ اس میں حق العبد غالب ہے۔(۲۶)

ارشادِ باری ہے:

﴿وَ كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفۡسَ بِٱلنَّفۡسِ﴾(۲۷)

(اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن قُتِلَ مَظۡلُومٗا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهِۦ سُلۡطَٰنٗا فَلَا يُسۡرِف فِّي ٱلۡقَتۡلِۖ إِنَّهُۥ كَانَ مَنصُورٗا﴾(۲۸)

(اور جو شخص ظلماً قتل کر دیا گیا تو بیشک ہم نے اس کے وارث کے لیے (قصاص کا) حق مقرر کر دیا ہے سو وہ بھی (قصاص کے طور پر بدلہ کے) قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے، بیشک وہ (اللہ کی طرف سے) مدد یافتہ ہے۔)

اس نوع کے حق کا حکم یہ ہے کہ یہ تمام احکام میں حق العبد کی طرح ہے۔[۲۹]

حق کی اقسام باعتبار محلِ حق:

حق محل کے اعتبار سے کئی اقسام پر مشتمل ہوتا ہے مثلاً مالی اور غیر مالی، حقِ شخصی اور حقِ یمین وغیرہ۔

اوّل: حقوقِ مالی اور غیر مالی:

مالی حقوق وہ ہیں جو اموال اور ان کے منافع سے متعلق ہوں یعنی جن کا محل مال یا منفعت ہو۔ جیسے فروخت کرنے والے کا قیمت میں اور بیچنے والے کا مالِ تجارت میں حق، حقِ شفعہ، حقوقِ ارتفاق، حقِ خیار اور کرایہ دار کا مکان میں سکونت کا حق۔

غیر مالی حقوق وہ ہیں جو اموال سے متعلق نہ ہوں مثلاً حقِ قصاص، آزادی سے متعلق حقوق، عورت کا حقِ طلاق یا علیحدگی کا حق (جس کا سبب نان نفقہ نہ ملنا، جنسی بیماریاں یا عورت کو ایذاء دینا ہو) بچے کی پرورش کا حق، نفس پر ولایت کا حق، سیاسی اور طبعی حقوق وغیرہ۔[۳۰]

دوم: حقِ شخصی اور حقِ عینی:

حقِ شخصی دو افراد کے درمیان ایسا قانونی تعلّق ہوتا ہے جس کی بنیاد پر ایک فریق کا دوسرے فریق سے کوئی حق وابستہ ہو جاتا ہے اور اس کی رو سے وہ ہر ایسے تصرّف سے احتراز کا پابند ہوتا ہے جو دوسرے فریق کے مفاد کے خلاف ہو۔ مثلاً فروخت کرنے والے کا حق کہ وہ قیمت وصول کرے اور خریدنے والے کا حق کہ وہ خریدا ہوا مال وصول کرے، اسی طرح قرض کی وصولی کا حق، ضائع شدہ یا غصب کی ہوئی چیز کا معاوضہ لینے کا حق، بیوی کا ضروری اخراجات وصول کرنے کا حق اور امانت رکھنے والے کا امین پر یہ حق کہ وہ امانت رکھی ہوئی چیز کو استعمال نہ کرے۔

حقِ عینی سے مراد وہ حق ہے جو شریعت نے کسی فرد کو کسی متعین چیز سے متعلق دیا ہو، یعنی کسی شخص اور چیز

کے درمیان پایا جانے والا ایسا شرعی تعلق جس کے باعث اسے اس چیز پر مکمل اختیار حاصل ہو، حقِ عینی کہلاتا ہے، جیسے حقِ ملکیت جس کی رو سے مالک کو اپنی مملوکہ شے پر تصرّف کا مکمل اختیار رہتا ہے۔ اسی طرح جائداد پر مقرر حق مثلاً راستے سے گزرنے یا پانی گزارنے کا حق، پڑوسی کی دیوار پر شہتیر رکھنے کا حق اور رہن رکھی ہوئی چیز کو اس وقت تک روکنے کا حق جب تک کہ قرض ادا نہ کیا جائے۔(۳۱)

اقسامِ حقوق باعتبار حصولِ عوض:

حصولِ عوض کے اعتبار سے فقہاء نے حقوق کی دو اقسام بیان کی ہیں، حقوقِ شرعیہ اور حقوقِ عرفیہ۔

اوّل: حقوقِ شرعیہ:

حقوقِ شرعیہ سے مراد وہ حقوق ہیں جن کو شارع نے خود مقرر کیا ہو یعنی جن کا ثبوت شارع کی جانب سے ہو اور قیاس ورائے یا تعامل کا اس میں کوئی دخل نہ ہو جیسے حقِ شفعہ، حقِ وراثت، حقِ قصاص، حقِ نسب، حقِ ولایت، حقِ حضانت اور شوہر کی باری میں بیوی کا حق وغیرہ۔

حقوقِ شرعیہ کی دو اقسام ہیں:

ا۔ حقوقِ ضروریہ یا حقوقِ مجردہ:

وہ حقوق جو انسان کو اصالۃً حاصل نہیں ہوتے اور ان کا مقصد جلبِ منفعت نہیں بلکہ دفعِ مضرت ہوتا ہے، مثال کے طور پر حقِ شفعہ جو اصالۃً ثابت ہونے والا حق نہیں ہے۔ اس حق میں اصل یہ ہے کہ بائع اور مشتری نے جب باہمی رضامندی سے کوئی بیع کی تو تیسرے آدمی کو ان دونوں کے درمیان مداخلت کا حق نہیں ہے لیکن شریعت نے شریکِ جائیداد، شریکِ حقوقِ جائیداد اور پڑوسی کو حقِ شفعہ دیا ہے۔ اسی طرح شوہر کی باری میں بیوی کا حق، بچے کی پرورش کا حق، یتیم کی ولایت کا حق، اور مخیّرہ(۳۲) کا حقِ طلاق بھی حقوقِ ضروریہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس قسم کے حقوق کا حکم یہ ہے کہ یہ کسی بھی صورت میں قابلِ معاوضہ نہیں ہو سکتے، نہ ان کی بیع وشراء کی جا سکتی ہے اور نہ ہی بطورِ صلح ان سے دستبرداری پر کوئی مالی معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے:

”اَلْحُقُوقُ الْمُجَرَّدَةُ لَا یَجُوزُ الِاعْتِیَاضُ عَنْهَا . كَحَقِّ الشُّفْعَةِ ؛ فَلَوْ صَالَحَ عَنْهُ بِمَالٍ بَطَلَتْ وَرَجَعَ بِهِ وَلَوْ صَالَحَ الْمُخَیَّرَةَ بِمَالٍ لِتَخْتَارَهُ بَطَلَ وَلَا شَیْءَ لَهَا ، وَلَوْ صَالَحَ إحْدَى زَوْجَتَیْهِ بِمَالٍ لِتَتْرُكَ نَوْبَتَهَا لَمْ یَلْزَمْ وَلَا شَیْءَ لَهَا“(۳۳)

(حقوقِ مجردہ کا عوض لینا جائز نہیں ہے، مثلاً حقِ شفعہ، پس اگر شفیع اس سے مال کے عوض صلح کر لے تو اس کا حق باطل ہو جائے گا، اور اگر مخیّرہ مال کے عوض پر شوہر سے مصالحت کر کے اسے حقِ طلاق واپس کر دے تو یہ باطل ہے۔ اس عورت کو کچھ نہ ملے گا، اور اگر شوہر اپنی بیویوں میں سے کسی ایک بیوی کے ساتھ اس شرط پر مصالحت کرے کہ وہ مال لے کر اپنی باری چھوڑ دے تو یہ بات اس پر لازم نہیں ہوگی اور عورت کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔)

حقوقِ ضروریہ کے ناقابلِ عوض ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ حقوق صاحبِ حق کے دفعِ ضرر کے مقصد کیلیے شارع کی طرف سے ودیعت شدہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان سے دستبرداری کے لیے آمادہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوا چنانچہ ضرر کے معدوم ہونے کے باعث اس کے سبب حاصل ہونے والا حق بھی معدوم ہو جائے گا اور حق سے دستبرداری کی قیمت یا معاوضہ بلا استحقاق ہوگا۔

۲۔ حقوقِ اصلیہ یا حقوقِ غیر مجردہ:

حقوقِ اصلیہ جن کی تعبیر فقہاء حقوقِ غیر مجردہ سے کرتے ہیں، اصالۃً ثابت ہوتے ہیں اور دفعِ ضرر کے لیے ان کی مشروعیت نہیں ہوتی جیسے حقِ قصاص، حقِ میراث، نکاح کو باقی رکھ کر شوہر کا بیوی سے متمتع ہونے کا حق وغیرہ۔

حقوقِ اصلیہ یا حقوقِ غیر مجردہ کا حکم یہ ہے کہ فروختگی کے ذریعے ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔ (یعنی صاحبِ حق اپنا حق کسی دوسرے کو فروخت کر دے اور خریدار کی طرف وہ حق منتقل ہو جائے نتیجتاً خریدار کو بھی وہی استحقاق حاصل ہو جائے جو اوّلاً صاحبِ حق کے پاس تھا) لہٰذا مقتول کے ولی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ قصاص کا حق کسی دوسرے پر فروخت کر دے اور دوسرے شخص (خریدار) کو قصاص لینے کا حق حاصل ہو جائے، یا وارث اپنا حقِ میراث دوسرے شخص کو فروخت کر دے اور حقیقی وارث کے بجائے دوسرا شخص وراثت کا حق دار بن جائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ خاوند اپنا حقِ تمتع کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ دے اور دوسرا شخص اس سے متمتع ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقوق شرعاً قابلِ انتقال نہیں ہوتے لہٰذا نہ ان کی بیع ہو سکتی ہے نہ ہبہ ہو سکتا ہے، نہ ان میں میراث جاری ہوتی ہے۔ حقِ قصاص میں بھی حقیقی وراثت نہیں جاری ہوتی بلکہ یہ ایسا حق ہے جو قریب ترین ولی کی عدم موجودگی میں اس کے بعد والے ولی کے لیے اصالۃً ثابت ہوتا ہے۔ شریعت چونکہ ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف ان حقوق کی منتقلی کی اجازت نہیں دیتی، اس لیے فروختگی اور مبادلہ کے

طور پر ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے۔ اس حکم کا مأخذ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث ہے :

"نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ"(۳۴)

(نبی اکرم ﷺ نے ولاء کی فروختگی اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا)

البتہ صلح اور دستبرداری کے ذریعہ ان حقوق کا معاوضہ لینا جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ صاحبِ حق اپنا حق استعمال کرنے سے باز آ جائے اور اس کے عوض اس شخص سے مال لے لے جسے اس حق کے استعمال سے نقصان پہنچتا۔ مثلاً مقتول کے جس ولی کو حقِ قصاص حاصل ہے اس کے لیے جائز ہے کہ قاتل سے مال لے کر صلح کر لے۔ یہ مال صاحبِ حق کے اپنا حق استعمال کرنے سے رکنے کا بدلہ ہے جسے قاتل اپنے کو موت کے ضرر سے بچانے کے لیے صرف کر رہا ہے۔ یہ صلح قرآن وسنّت کی نصوص اور اجماع کی بناء پر جائز ہے۔ (۳۵)

اسی طرح شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کے ساتھ رشتہ نکاح باقی رکھ کر اس سے متمتع ہو لیکن شوہر عورت کی طرف سے دیئے جانے والے مال کے بدلے میں اپنے حق کے استعمال سے باز آ سکتا ہے مثلاً خلع اور مال کی شرط کے ساتھ طلاق دینا۔ ایسا کرنا نصِ قرآنی اور اجماعِ امت کی رو سے جائز ہے۔

صلح کے ذریعہ عوض لینا اسی صورت میں جائز ہوگا جب وہ حق فی الحال موجود اور قائم ہو۔ اگر کوئی حق مستقبل میں متوقع ہے مگر فی الحال ثابت نہیں ہے تو اس کا عوض لینا نہ بیع کے ذریعے جائز ہے اور نہ صلح کے ذریعے۔

دوم: حقوقِ عرفیہ:

حقوقِ عرفیہ سے مراد وہ حقوق ہیں جن کی مشروعیت عرف وعادت کی بنیاد پر ہوتی ہے یعنی شریعت نے عرف وعادت اور لوگوں کے تعامل کی بنا پر انہیں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ان حقوق کا اصل مأخذ، عرف وتعامل ہے نہ کہ شریعت (۳۶) مثال کے طور پر راستے پر چلنے کا حق، پانی لینے کا حق، حقوقِ ادبیہ وغیرہ۔ حقوقِ عرفیہ کی کئی قسمیں ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ حقوقِ ارتفاق:

حقِ ارتفاق (۳۷) اپنی زمین اور جائیداد سے مطلوبہ فائدہ اٹھانے یا مملوکہ زمین سے استفادے کی خاطر دوسرے کی زمین استعمال کرنے کے حق کا نام ہے۔ ایسی صورت اس وقت پیش آتی ہے جب کسی دوسرے

کی زمین سے فائدہ اٹھائے بغیر اپنی زمین سے بھی مستفید نہ ہوا جا سکے۔ احناف نے حقِ ارتفاق کی تعریف یوں کی ہے:

حق مقرر علی عقار لمنفعة عقار لشخص اخر (۳۸)

(حقِ ارتفاق کسی کی غیر منقولہ جائیداد پر دوسرے شخص کی غیر منقولہ جائیداد کے فائدے کے لیے ایک مقرر حق کا نام ہے۔)

مالکیہ کے نزدیک حقوقِ ارتفاق لاتعداد ہیں۔ ان میں توسّع ہے اور ان کا تعلق انسان کے ارادہ والتزامات سے ہے، جب کہ اکثر فقہاء نے حقوقِ ارتفاق کی انواع کو محدود قرار دیا ہے اور ان حقوق کی حسبِ ذیل قسمیں بیان کی ہیں۔

الف۔ حقِ مرور　ب۔ حقِ تعلّی　ج۔ حقِ شرب　د۔ حقِ مسیل　ھ۔ حقِ جوار

فقہاءِ احناف کے ہاں یہ حقوق، حقوقِ مجردہ ہیں جنہیں فروخت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ بطورِ صلح اور دستبرداری کے ان کا عوض لیا جا سکتا ہے۔ شرح المجلہ میں اس طرح سے معاوضہ لینے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ (۳۹)

اس کے برخلاف فقہاء شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حقوق کا عوض لینا جائز ہے۔ فقہاء کے مابین اس اختلاف کی بنیاد دراصل بیع کی تعریف اور مفہوم میں ان کے مابین پایا جانے والا اختلاف ہے۔ (۴۰)

حقوقِ ارتفاق کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

الف: حقِ مرور

اپنے گھر یا زمین تک پہنچنے کے لیے کسی دوسرے کی زمین میں سے گزرنے کے حق کو حقِ مرور کہا جاتا ہے۔ اس مسئلے میں کہ آیا وہ شخص جسے حقِ مرور حاصل ہے وہ اپنے اس حق کو کسی دوسرے پر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں، اس بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔ ذیل میں مختصراً ان آراء پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

حنفیہ کے ہاں حقِ مرور کی خرید و فروخت کے سلسلے میں دو قسم کی روایتیں ہیں۔

زیادات کی روایت یہ ہے کہ حقِ مرور کی بیع جائز نہیں ہے اور ابو اللیث نے اس روایت کو راجح قرار دیا ہے۔ (۴۱) لیکن اکثر احناف نے اس بیع کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

راستہ کی بیع اور اس کا ہبہ جائز ہے۔(۴۲)

علامہ حصکفی درالمختار میں لکھتے ہیں:

اکثر مشائخ نے جواز کی روایت کو اختیار کیا ہے۔سائحانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔(۴۳)

ابن عابدین حقِ مرور کی بیع کے جواز کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حقِ مرور کی بیع اس کے زمین سے متعلق ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔(۴۴)

شافعیہ کے نزدیک حقِ مرور کی خرید وفروخت جائز ہے کیوں کہ وہ منفعت کی دائمی فروخت کے جواز کے قائل ہیں۔عبدالحمید شروانی اس سلسلے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کحق الممرّ إذا عقد علیه بلفظ البیع"(۴۵)

(جیسے گزرنے والے کا حق جب کہ بیع کے لفظ سے معاہدہ طے پا جائے) یعنی اس صورت میں وہ قابلِ فروخت ہوتا ہے۔

حنابلہ بھی حقِ مرور کی بیع کے جواز کے قائل ہیں۔بھوتی کے نزدیک بیع کی تعریف درج ذیل تمام صورتوں کو شامل ہے:

کتاب کی بیع کتاب سے، یا کتاب کی بیع گھر کے حقِ مرور سے، یا حقِ مرور کی بیع کتاب سے، یا گھر کے حقِ مرور کی بیع دوسرے گھر کے حقِ مرور سے۔(۴۶)

مالکیہ کی مشہور تعریف کی رو سے اگرچہ منافع کی بیع درست نہیں ہے لیکن ان کے ہاں موجود کئی عبارات سے اس قسم کی بیع کا جواز ملتا ہے۔

المدونۃ الکبریٰ میں ہے:

"(قلت) أرأیت ان اشتریت طریقا فی دار رجل أیجوز هذا فی قول مالک قال نعم"(۴۷)

(میں نے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں کسی شخص کے گھر میں راہ گزر خریدوں تو کیا یہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں!)

ب۔ حقِ تعلّی:(۴۸)

حقِ تعلّی یعنی گھر کی ایک منزل پر دوسری منزل بنانے کے حق کی بیع سے متعلق فقہاء کی آراء حسبِ ذیل ہیں:

حنفی فقہاء کے نزدیک اگر کسی شخص کا دو منزلہ مکان ہے اور وہ اوپر والی منزل فروخت کرتا ہے تو یہ شرعاً جائز ہے۔

ردالمحتار میں ہے :

اگر اوپر کا مکان نیچے والے کا ہے اور اس نے یہ کہا کہ اس کی بالائی منزل کو میں نے تم پر اتنے میں فروخت کیا تو یہ صحیح ہوگا، نیچے کی چھت نیچے والے کی ہوگی اور مشتری کو حقِ قرار حاصل ہوگا۔ اگر اوپر والا مکان منہدم ہو جائے تو اس کو اس پر پہلے کی طرح مکان بنانے کا حق ہوگا۔(۴۹)

البتہ محض حقِ تعلّی کی بیع کے عدمِ جواز کے بارے میں صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

اگر مکان دو منزلہ ہو اور دونوں منزلیں الگ الگ افراد کی ہوں تو اس صورت میں اگر دونوں منزلیں یا صرف اوپر والی منزل گر جائے تو اوپر کی منزل والے کو اپنا حق فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔

اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں:

لأن حق التعلي ليس بمال لأن المال ما يمكن إحرازه والمال هو المحل(۵۰)

(اس لیے کہ حقِ تعلّی مال نہیں ہے، کیوں کہ مال وہ شے ہے جس کی حفاظت وتحدید ممکن ہو، اور مال دراصل وہ جگہ ہے۔)

شافعی فقہاء کے نزدیک حقِ تعلّی کی خرید وفروخت جائز ہے۔ شاطری نے بیع کی تعریف کے بعد لکھا ہے:

جیسے چھت پر عمارت بنانے کا حق کہ اس کی بیع جائز ہے۔(۵۱)

حنبلی فقہاء کے ہاں بھی حقِ علوّ کی بیع درست ہے۔ بھوتی فرماتے ہیں:

اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ آدمی مکان یا کمرے کا علوّ خرید لے تا کہ اس پر باہم طے شدہ انداز کی عمارت بنائے یا اس پر طے شدہ لکڑیاں رکھے، کیوں کہ علوّ بھی بائع کی ملکیت ہے۔ لہٰذا اس کی بیع بھی زمین کی طرح جائز ہے۔ اسی طرح جو مکان ابھی تعمیر ہونا ہے اس کا علوّ خریدنا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ علوّ اور سفل کے اوصاف بیان کر دیے ہوں تا کہ بیع معلوم ہو۔ علو کی بیع درست ہونے کہ وجہ یہ ہے کہ وہ بھی بائع کی ملکیت ہیں

لہٰذا اسے اس کا معاوضہ لینے کا حق حاصل ہے۔(۵۲)

مالکی فقہاء بھی حقِ تعلّی کی بیع کے جواز کے قائل ہیں مگر ان کے ہاں مجرد فضاء کی بیع جائز نہیں ہے، الاّ یہ کہ وہ تعمیر کی غرض سے ہو۔ مدوّنۃ الکبریٰ میں ہے:

میں نے پوچھا: اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ ایک آدمی اپنی فضا میں سے دس زراع کے اوپر کے دس زراع بیچ دے تو کیا ایسا کرنا امام مالکؒ کے قول کے اعتبار سے جائز ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ہے الاّ یہ کہ اس بات کی شرط لگا دی جائے کہ فضاء کا مالک اس جگہ عمارت تعمیر کرے تاکہ خریدار اس کے اوپر عمارت تعمیر کر سکے تو اس بیع میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے پوچھا: آپ کا کیا خیال ہے اگر میں اپنی چھت کے اوپر دس ذراع یا اس سے زیادہ فروخت کر دوں جب کہ میری چھت کے اوپر کوئی عمارت نہ ہو تو کیا یہ جائز ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ میرے نزدیک جائز ہے۔(۵۳)

ج۔　حقِ شرب:

فقہاء کی اصطلاح میں ''حقِ شرب'' کے معنی پانی کی اس مقررہ باری یا حصہ کے ہیں جو فصلوں اور باغوں کی سیرابی کے لیے مقرر کیا جائے۔ حقِ شرب کی بیع کے بارے میں فقہاء کے اقوال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

احناف کے ہاں حقِ شرب کی بیع کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے ہاں اس کی بیع جائز نہیں ہے اور بعض نے عرف کی بنیاد پر اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ اسکی وجہ غالبًا یہ ہے کہ جن فقہاء نے حقِ شرب کی بیع کو جائز قرار نہیں دیا، انہوں نے غرر(۵۴) اور جہالت(۵۵) کی وجہ سے اس سے منع کیا ہے۔

ابنِ ہمام فرماتے ہیں:

چونکہ حقِ شرب، پانی کے ایک حصّے سے متعلق ہے جس کی مقدار مجہول ہے لہٰذا اس کی بیع جائز نہیں ہو گی اس وجہ سے مشائخ بخارا نے مستقلاً اس کی بیع سے منع کیا ہے۔(۵۶)

بابرتی لکھتے ہیں:

ظاہر الرّوایۃ میں حقِ شرب کی بیع کو جہالت کی وجہ سے ناجائز کہا گیا ہے۔(۵۷)

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

متاخرین مشائخ میں سے بعض نے بیع حقِ شرب کے جواز کا فتوی دیا ہے، اگر چہ اس کے ساتھ زمین

کی بیع نہ کی جائے۔ ان حضرات نے ایسا بعض شہروں کے عرف کی بنیاد پر کہا ہے۔ انھوں نے استصناع کو بھی تعامل کی وجہ سے جائز کہا ہے، اگر چہ قیاس کا تقاضا اس کے خلاف تھا۔ اسی طرح زمین کے بغیر شرب کی بیع بھی عرف کی وجہ سے جائز ہوگی۔ (۵۸)

حنفی فقہاء کی ان آراء سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر شرب کا تعین کر کے غرر و جہالت دور کر دی جائے تو اس کی خرید و فروخت جائز ہوگی۔

مالکیہ کے ہاں حقِ شرب کی بیع مطلقاً جائز ہے۔ المدونۃ الکبریٰ میں ہے:

میں نے پوچھا کہ اگر میں ایک دن کا حقِ شرب بیچوں تو یہ جائز ہوگا؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہاں! جائز ہے۔ میں نے پوچھا کہ اگر میں نے اپنا حصہ بیچا تو اصل حقِ شرب بیچ دیا حالانکہ میرے لیے بارہ دنوں میں ایک دن ہے، کیا پھر بھی اس کی بیع جائز ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا کہ اگر میں اصل حق کو نہ بیچوں بلکہ ایک دن کا پانی بیچوں مثلاً جب میرا دن آئے تو اس دن جتنا پانی ہو وہ بیچ دوں تو کیا یہ امام مالکؒ کے قول کے اعتبار سے جائز ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! (۵۹)

حقِ شرب کی بیع کے بارے میں حنابلہ کے دو اقوال ہیں بعض کے ہاں اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ مگر اکثر اس کی بیع کے جواز کے قائل ہیں اور اس میں ہر طرح کے تصرّف کو جائز قرار دیتے ہیں۔ (۶۰)

شافعیہ بھی حقِ شرب کی بیع کے جواز کے قائل ہیں۔ (۶۱)

د۔ حقِ مسیل:

حقِ مسیل، گھر یا کھیت کی ضرورت سے زائد، استعمال شدہ یا بارش کے پانی کے بہانے کے حق کو کہتے ہیں۔

احناف میں سے ابنِ عابدین فرماتے ہیں:

"لا یصح بیع حق التسییل" (۶۲)

ہدایہ میں ہے: "وبیع مسیل الماء وھبته باطل" (۶۳)

(پرنالے کی بیع اور اس کا ہبہ باطل ہے۔)

درّ المختار میں حقِ مرور اور حقِ مسیل کے درمیان فرق کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ حقِ مرور کی بیع اس لیے جائز ہے کہ اس کا محل معلوم ہے جو کہ راستہ ہے۔ لیکن پانی بہنے کی جگہ غیر متعین ہونے کی وجہ سے مجہول ہے کیوں

کہ یہ معلوم نہیں کہ کس قدر زمین زیرِ آب آئے گی۔(۶۴)

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ حقِ شرب کی طرح حقِ مسیل کی بیع کے جواز کے بھی قائل ہیں۔(۶۵)

ہ۔ حقِ جوار:

اپنے گھر کے اندر کے تصرّفات میں پڑوسی کی رعایت کے حق یا پڑوسی کے مکان سے استفادہ کرنے کے حق کو حقِ جوار کہا جاتا ہے۔

فقہاء کرام نے حقِ جوار کی خرید وفروخت کے حوالے سے جو مباحث بیان کیے ہیں ان میں بالعموم پڑوسی کے صحن کی طرف روشن دان، کھڑکی یا دروازہ کھولنا، پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنا یا کیل لگانا وغیرہ شامل ہیں۔

احناف حقِ جوار کی بیع کے جواز کے بظاہر قائل نہیں ہیں، مگر اس کی وجہ انھوں نے یہ بتائی ہے کہ دیوار پر رکھی جانے والی لکڑی یا بنائی جانے والی چھت وزن کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہوسکتی ہے اور وزن کی زیادتی سے دیوار کے مالک کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔(۶۶)

احناف کی بیان کردہ اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر لکڑی یا چھت کے وزن کا تعین کرلیا جائے تو اس کی بیع جائز ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک حقِ جوار کی خرید وفروخت جائز ہے۔ علامہ شاطری فرماتے ہیں:

دیوار پر لکڑی رکھنے اور چھت یا عمارت بنانے کے حق کی بیع جائز ہے۔(۶۷)

حنابلہ بھی حقِ جوار کی بیع کے جواز کے قائل ہیں: علامہ بھوتی فرماتے ہیں:

کسی دوسرے شخص کی دیوار میں دروازہ کھولنے کے لیے مخصوص حصّہ خریدنا جائز ہے۔(۶۸)

مالکیہ کے ہاں بھی حقِ جوار کی بیع جائز ہے۔ المدونۃ الکبری میں ہے:

''میں نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی دیوار کی لکڑی کی جگہ فروخت کرے تا کہ خریدنے والا شخص اپنی لکڑی اس پر رکھ سکے تو کیا یہ جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! یہ بھی امام مالک ؒ کا قول ہے بشرطیکہ اس لکڑی کا وصف بیان کردے جو دیوار پر رکھی جائے گی۔''(۶۹)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقِ مرور، حقِ شرب، حقِ تعلّی، حقِ مسیل اور حقِ جوار کی بیع شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں مطلقاً جائز ہے۔ مالکیہ کی بعض فروع سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جب کہ متاخرین فقہاءِ

احناف کے نزدیک قولِ مختار یہ ہے کہ ان حقوق میں سے جو حقوق اعیانِ ثابتہ سے متعلق ہیں، وہ بھی حکماً مال ہیں اور ان کی خرید وفروخت جائز ہے مثلاً حقِ مرور، حقِ شرب، حقِ مسیل اور حقِ جوار، لیکن اس جواز کی شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی مانع مثلاً غرر اور جہالت موجود نہ ہو۔ حقِ تعلّی کے بارے میں البتہ ان کی رائے یہ ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں ہے اس لیے کہ حقِ تعلّی کسی پائیدار شے سے متعلق نہیں ہے۔

۲۔ حقِ اسبقیت یا حقِ اختصاص:

حقوقِ عرفیہ کی ایک قسم ''حقِ اسبقیت'' یا ''حقِ اختصاص'' کہلاتی ہے۔ ان حقوق کا تعلق ایسی اشیاء اور مباحاتِ عامہ سے ہے جن پر کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ ہر شخص اس چیز یا منفعت کو حاصل کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ ایسی چیز یا منفعت پر اگر کوئی شخص پہل کر کے قبضہ کر لے اور اس پر حقِ اسبقیت حاصل کر لے تو شرعاً یہ اسی کا حق کہلائیگا اور دوسرا کوئی اس حق کو سلب کرنے کا مجاز نہ ہوگا اس حق کے ثابت ہونے کی دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے:

''مَنْ سَبَقَ إِلَى مَا لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ''(۷۰)

(جس نے کسی ایسی چیز کی طرف سبقت کی جس کی طرف اس سے پہلے کسی مسلمان نے سبقت نہ کی ہو تو وہ اسی کی ہے۔)

اس حق کی مثال یہ ہے کہ کسی مباح زمین پر کوئی شخص قبضہ کر کے کاشت شروع کر دے یا اس کے گرد چار دیواری بنا دے یا وہاں گھر بنا لے تو وہ زمین جس پر ابتداء میں کوئی بھی قبضہ وتملک حاصل کر سکتا تھا اب اِس شخص کی سبقت کی وجہ سے کوئی اور اس سے یہ حق نہیں چھین سکے گا۔ یہ زمین گویا اس کی ملک میں آ گئی ہے جس سے انتفاع کا وہ مکمل حق دار ہے اور وہ چاہے تو اسے فروخت بھی کر سکتا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ''(۷۱)

(جس نے کسی غیر ملکیتی زمین کو آباد کیا تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ أَحْيَى أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ''(۷۲)

(جس نے کسی بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنایا وہ اسی کی ہوگی)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ أَحَاطَ حَائِطًا عَلَى أَرْضٍ فَهِيَ لَهُ"(۷۳)

(جس نے کسی غیر ملکیتی زمین کے گرد دیوار بنائی تو وہ زمین اسی کی ہوجاتی ہے۔)

اسی طرح اگر کوئی شخص دریا کا پانی اپنے برتن میں محفوظ کرلے یا وہاں سے مچھلی پکڑے یا فضا میں آزاد پھرنے والا پرندہ یا جنگل سے شکار پکڑ کر قبضے میں کرلے تو یہ چیزیں اس کی ملک میں آجاتی ہیں اور وہ انہیں فروخت بھی کرسکتا ہے۔

البتہ اگر کسی شخص نے بنجر ومباح زمین کو قابلِ استعمال نہیں بنایا، صرف اس کے گرد پتھر گاڑ کر نشان لگائے تو وہ اس زمین کو کاشت کرنے کا دوسروں سے زیادہ حق دار ہوگا۔ مگر وہ اس زمین کا ابھی مالک نہیں بنے گا۔ البتہ اس کے حقِ اسبقیت کی وجہ سے کسی اور کو مداخلت کا اختیار نہیں ہوگا۔ اب آیا وہ شخص اپنے اس حق کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

شافعیّہ میں سے امام نووی فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص نے بنجر زمین پر پتھر کے نشانات لگائے یعنی اس نے زمین کو قابلِ استعمال بنانے کا عمل شروع کیا لیکن ابھی مکمل نہیں کیا تو وہ دوسروں کے مقابلہ میں اس زمین کا زیادہ حق دار ہے---اور اگر اس نے اپنا یہ حق دوسرے شخص کی طرف منتقل کیا تو دوسرا شخص اس کا زیادہ حق دار ہوجائے گا۔ اور اگر اس شخص کا انتقال ہوگیا تو یہ حق اس کے وارث کی طرف منتقل ہوگا کیوں کہ اس شخص کے لیے حقِ تملیک ثابت ہوچکا ہے۔ لہٰذا اس کے مرنے کے بعد یہ حق وراث کی طرف منتقل ہوجائے گا جس طرح حقِ شفعہ منتقل ہوجاتا ہے۔ اور اگر اس نے یہ حق بیچ دیا تو اس کے بارے میں دو اقوال ہیں، پہلا قول جو ابواسحٰق کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بیع صحیح ہوجائے گی کیوں کہ جب وہ شخص اس زمین کا حق دار ہوگیا تو اس کی فروختگی کا مالک بھی ہوگیا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بیع صحیح نہ ہوگی یہی اصل مذہب ہے اس لیے کہ ابھی وہ شخص اس زمین کا مالک ہوا ہی نہیں ہے لہٰذا اس کی فروختگی کا بھی مالک نہیں ہوگا جس طرح شفیع مکان کا مالک ہونے سے پہلے اس کے بیچنے کا اختیار نہیں رکھتا۔(۷۴)

خطیب شربینی نے لکھا ہے کہ ابواسحٰق نے اس حق کی بیع کو جائز قرار دینے کی علّت یہ بیان کی ہے کہ یہ حقِ اختصاص کی بیع ہے جس طرح تعمیر اور رہائش کے لیے گھر کے علوّ کی بیع نیچے والے مکان کی بیع کے بغیر جائز ہوتی ہے۔(۷۵)

فقہاءِ حنابلہ نے اس مسئلہ میں دو قول ذکر کئے ہیں، ایک قول جواز کا ہے اور دوسرا عدمِ جواز کا، ابنِ

قدامہ لکھتے ہیں:

"فان باعه لم يصح بيعه لانه لم يملك فلم يملك بيعه كحق الشفعة قبل الاخذ به"(۷۶)

یعنی ایسی بیع درست نہیں ہوگی کیوں کہ ابھی وہ خود اس کا مالک بھی نہیں ہوا چنانچہ وہ اس کی بیع کا بھی مجاز نہ ہوگا جیسے شفیع مالک بننے سے قبل اسے فروخت نہیں کر سکتا۔

اس بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں حقِ اسبقیت کے جواز اور عدمِ جواز دونوں طرح کے اقوال موجود ہیں۔ فقہاءِ احناف اور مالکیہ کی کتب میں حقِ اسبقیت کی بیع کی بحث سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اس امر پر البتہ سب کے ہاں اتفاق پایا جاتا ہے کہ مال لے کر اپنے اس حق سے بطور صلح کے دستبردار ہوا جاسکتا ہے۔

۳۔ حقِ عقد یا حق المعاملہ:

حقوقِ عرفیہ کی ایک قسم حقِ عقد یا حق المعاملہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے کسی عقد کی بناء پر یا کسی واقعی معاملہ کی بناء پر اس کو کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں مثال کے طور پر حکومت کے مناصب، نظامت وتولیت، اوقاف وغیرہ مناصب اور ان کی بنیاد پر حاصل ہونے والے حقوق عقد کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپس کے معاہدہ کی بناء پر بھی کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں جیسے بعض شہروں میں پرائیویٹ بسوں اور ٹیکسیوں کے جانے کی باری مقرر ہوتی ہے۔ ان کا آپس میں معاہدہ ہوتا ہے جس کی رو سے ایک کی باری میں کوئی دوسرا نہیں جاسکتا۔

اس قسم کے حقوق کی بیع وشراء جائز نہیں ہے کیوں کہ ان حقوق پر مال کی تعریف صادق آتی ہے نہ ہی عرف میں ان کو مال سمجھا جاتا ہے اور نہ اس قسم کے حقوق کی خرید وفروخت کا کوئی تعامل ہے۔ لہٰذا تمام فقہاء کے نزدیک ان حقوق کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ البتہ بعض دیگر حقوق کی طرح ان حقوق میں مال وصول کر کے دستبرداری اور صلح کی گنجائش نکلتی ہے۔ اس کی ایک دلیل حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان معاہدہ ہے جس کے تحت حضرت حسنؓ خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اور مال کے عوض صلح کر لی تھی اور صحابہؓ نے بھی اس معاملے پر سکوت اختیار کیا۔

علامہ عینی اس واقعہ کے تحت فرماتے ہیں:

"وفيه جواز خلع الخليفة نفسه إذا رأى فى ذلك صلاحا للمسلمين"(۷۷)

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اگر مسلمانوں کے لیے بہتر سمجھے تو اپنے آپ کو مطالبۂ خلافت سے دستبردار کر سکتا ہے۔)

اسی بناء پر فقہاء احناف نے مال کے بدلہ میں وظائف سے دست برداری کے جواز کی صراحت کی ہے۔(۷۸) نیز متأخرین فقہاء شافعیہ نے بھی مال کے بدلہ میں وظائف سے دست برداری کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔(۷۹)

حنابلہ بھی مال کے بدلہ میں وظائف سے دست برداری کے جواز کے قائل ہیں۔(۸۰)

فقہاء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک حقِ عقد کی بیع جائز نہیں ہے لیکن فقہاء متأخرین اس امر کو جائز کہتے ہیں کہ صاحبِ ملازمت مال لے کر اپنے حق سے دست بردار ہو جائے۔ عصرِ حاضر میں بعض اداروں کے ہاں رائج ''Golden Handshake'' اسکیم کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ حقوقِ ادبیہ:

حقوقِ ادبیہ حقوقِ عرفیہ کی ایک اہم قسم ہے جسے موجودہ تمدنی، اقتصادی اور سماجی حالات نے پیدا کیا ہے۔ حقوقِ ادبیہ انگریزی میں "Intellectual Property Rights" کہلاتے ہیں جیسے موجد، مصنّف اور محقّق کے فکری نتائج چاہے وہ کسی بھی فن یا صنعت وحرفت سے تعلق رکھتے ہوں۔ عصرِ حاضر میں یہ معروف ہے کہ ایسے اصحاب کو اپنی ایجادات اور فکری نتائج پر ایسا حق حاصل ہے جس کو وہ ذریعہ آمدن بنا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف تجارتی اداروں کے ٹریڈ مارک، مختلف مصنوعات کی خاص علامتیں، رسائل واخبارات، تصانیف وفارمولے اور ایجادات شامل ہیں۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی حقوقِ ادبیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ولكل إنسان الحق فى الانتفاع بثمرات إنتاجه العلمي أو الأدبي أو الفني على ألا ينافي هذا الإنتاج مبادء الشريعة وقيم الأخلاق"(۸۱)

(ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی علمی، ادبی یا فنی تخلیقات کے ثمرات سے متمتع ہو بشرطیکہ یہ تخلیقات شرعی اصول اور اخلاقی اقدار کے منافی نہ ہوں۔)

ایک مصنف یا موجد کو اپنی Product کی تیاری کے لیے بے پناہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ طویل سوچ وبچار، فکر اور تجربات کے بعد، جس میں بسا اوقات سرمایہ بھی خرچ ہوتا ہے، وہ انسانوں کی ضروریات کے لیے

کوئی فارمولہ ایجاد کرتا ہے یا کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے۔ ایک موجد جب کوئی نئی چیز ایجاد کرتا ہے یا کوئی مصنف اپنی کتاب طبع کرتا ہے تو اس کے پیشِ نظر بالعموم دو مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کے ساتھ بھلائی اور علم کی نشر واشاعت ہو اور دوسرا اپنے لیے مالی مفادات کا حصول لہٰذا وہ اپنے اس فعل سے نفع اٹھانے کا خود سب سے بڑا حق دار ہے خواہ یہ نفع مادی شکل میں ہو یا معنوی منافع کی شکل میں (کہ اس چیز کی نسبت اس کی طرف ہو۔) حقِ تصنیف وایجاد کی اپنے لیے تخصیص اور اس پر مالکانہ حقوق کے لیے حضور ﷺ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے:

"مَنْ سَبَقَ إِلَى مَا لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ"(۸۲)

(جس نے کسی ایسی چیز کی طرف سبقت کی جس کی طرف اس سے پہلے کسی مسلمان نے سبقت نہ کی ہو تو وہ اسی کی ہے۔)

حقِ تصنیف وحقِ ایجاد کا تعلق مادی اشیاء سے نہیں ہے بلکہ ان کی اہمیت معنوی اور اعتباری نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے احناف نے مال کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق مال صرف مادی اشیاء تک ہی محدود ہے اور یہ منافع کو شامل نہیں ہے لیکن جمہور فقہاء اور متاخرینِ احناف کے ہاں مال کی تعریف میں وسعت پائی جاتی ہے۔(۸۳) ان کے نزدیک مال کی تعریف میں اعیان، منافع اور حقوق سب شامل ہیں۔(۸۴)

علاوہ ازیں کاروباری طبقے کے عرف میں بھی انھیں مال ہی سمجھا جاتا ہے لہٰذا یہ حقوق اور ان کے منافع مصنّف اور موجد کے لیے مختص رہیں گے۔ چنانچہ ان کی خرید فروخت، ان میں ہبہ، اجارہ(۸۵) اور اعارہ(۸۶) سب جائز ہوں گے اور مؤلف وموجد کی وفات کے بعد یہ حق اس کے وارثوں کو منتقل ہو جائے گا۔ صحیح بخاری اور دیگر کتبِ حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے:

"مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ"(۸۷)

(جو کوئی مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔)

اس بناء پر کسی کتاب کی دوبارہ طباعت یا کسی ایجاد کی بغیر اجازت نقل تیار کرنا شرعاً ناجائز ہوگا اور اس کا تاوان ادا کرنا ضروری ہوگا۔ البتہ ایسی پرانی کتب جن کے مؤلفین کے ورثاء کا کوئی علم نہیں انھیں دوبارہ طبع کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الفاطر:۳۹

سورۃ الاسراء:۷۰

سورۃ الملک:۲۳۔

(کہووہ خداہی توہے جس نے تم کو پیدا کیا۔اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم کم احسان مانتے ہو۔)

سورۃ البقرۃ:۲۹

(وہی توہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔)

۲۔ ابن منظور،محمد بن مکرم الافریقی :لسان العرب،۱۰/۴۹۔

۳۔ الفیروزآبادی،مجدالدین،أبوطاہر،محمد بن یعقوب :القاموس المحیط،۲/۴۵۲۔

۴۔ سورۃ یٰس:۷

۵۔ سورۃ الانفال:۸

۶۔ سورۃ الاسراء:۱۷:۸۱۔

7 ۔ سورۃ البقرۃ:۲۴۱

۸۔ سورۃ المُعارِج:۲۴،۲۵۔

۹۔ سورۃ الغافر:۲۰

۱۰۔ الجرجانی،علی بن محمد،التعریفات،ص۱۲۳۔

۱۱۔ البرکتی، عمیم الإحسان التعریفات الفقهیة، ص۹۶۔

۱۲۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری : صحیح مسلم،حدیث نمبر۴۴،۱۳۱/۱، بَاب الدَّلِیلِ عَلَی أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَی التَّوْحِیدِ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَطْعًا۔

۱۳۔ وھبة الزحیلی :الفقه الإسلامی وأدلته، ٤/ ۳٦۵ (بحوالہ حاشیۃ قمرالأقمار علی شرح المنار للشیخ عبدالحلیم اللکنوی،أول مبحث الحقوق)

۱۴۔ حقِ حضانت بچے کی تربیت کے حق کو کہتے ہیں۔(الجرجانی علی بن محمد : التعریفات،۱/۱۱۹)

۱۵۔ حقِ خیار سے مراد یہ ہے کہ انسان کو حاصل اختیارات ہوتے ہیں) جو عقدِ بیع سے متعلق ہیں (ان میں سے ایک خیار تعیین ہے مثلاً کوئی شخص دس درہم کے بدلے دو قسم کے کپڑوں میں سے ایک جوڑا چن کر لے تو اسے وہی معین جوڑا لینے کا اختیار ہے۔ خیار کی ایک قسم خیارِ رویت ہے کہ خریدار نے اگر کوئی چیز دیکھے بغیر لے لی تو اسے واپس کرنے کا اختیار ہے۔ تیسری قسم خیارِ شرط ہے کہ بائع اور مشتری میں سے کوئی تین دن یا اس سے کم کے اختیار کی شرط لگائے۔ خیار کی چوتھی قسم خیارِ عیب ہے کہ مشتری مبیع میں کوئی عیب پائے تو اسے بائع کو واپس لوٹانے کا اختیار ہے۔ (الجرجانی علی بن محمد التعریفات، ۱۳۷/۱)

۱۶۔ وهبة الزحیلی الفقه الإسلامی و أدلته،۴/۳۶۵۔

۱۷۔ السنہوری، عبدالرزاق : مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی، ۵/۱۔

۱۸۔ علی الخفیف :احکام المعاملات:۲۶۔

۱۹۔ الزرقا، مصطفیٰ احمد :الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید،۳/۳۰

۲۰۔ وہبۃ الزحیلی :الفقہ الإسلامی وأدلتہ،۴/۳۶۵۔

۲۱۔ وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ -الکویت :الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ،۱۴/۱۸۔

۲۲۔ وہبۃ الزحیلی :الفقہ الإسلامی وأدلتہ،۴/۹/۳۶۷۰۔

۲۳۔ متعدد ذمہ داریوں کی ایک بار ادائیگی یا متعدد بار کے ارتکابِ جرم کو ایک قرار دینا تداخل کہلاتا ہے۔

۲۴۔ وہبۃ الزحیلی :الفقہ الإسلامی وأدلتہ،۴/۳۷۱۔

۲۵۔ کسی پر بدکاری کا جھوٹا الزام لگانے والے کو اسّی (۸۰) کوڑے لگانا۔

۲۶۔ وہبۃ الزحیلی :الفقہ الإسلامی وأدلتہ،۴/۳۷۱-۳۷۲

۲۷۔ سورۃ المائدۃ:۴۵

۲۸۔ الاسراء۱۷:۳۳

۲۹۔ وہبۃ الزحیلی :الفقہ الإسلامی وأدلتہ،۴/۳۷۲۔

۳۰۔ وہبۃ الزحیلی :الفقہ الإسلامی وأدلتہ،۴/۳۷۵۔

۳۱۔ وہبۃ الزحیلی :الفقہ الإسلامی وأدلتہ،۴/۳۷۵-۷۶

۳۲۔ جس عورت کو اس کے خاوند نے اپنا حقِ طلاق سپرد کر دیا ہو۔

۳۳۔ ابن نجیم، زَینُ العابدین بن اِبراہیم :الأشباہ والنظائر علی مذہب أبي حنیفۃ النعمان، ص۲۱۲۔ ابن عابدین، محمد امین : حاشیۃ ردالمحتار علی الدر المختار، ۱۴/۴

۳۴۔ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل : صحیح البخاری، حدیث نمبر ۲۵۳۵، ۳۸۸/۶، کِتَاب الْعِتْقِ، بَاب بَیْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ۔

۳۵۔ دیکھئے ابن عابدین، محمد امین : حاشیۃ ردالمحتار علی الدر المختار، ۵۲۰/۴۔

۳۶۔ محمد موسیٰ، یوسف، الدکتور :الاموال ونظریۃ العقد فی الفقہ الاسلامی ص ۱۷۰۔

۳۷۔ حقِ ارتفاق (Easement) اپنی زمین اور جائیداد سے مطلوبہ فائدہ اٹھانے یا مملوکہ زمین سے استفادے کی خاطر دوسرے کی زمین استعمال کرنے کے حق کو کہتے ہیں۔ (الجرجانی علی بن محمد : التعریفات، ۵۳/۱)

۳۸۔ قدری پاشا :مرشد الحیر ان، مادہ:۳۷

۳۹۔ الأتاسی محمد خالد ومحمد طاہر :شرح المجلۃ ۱۲۱/۲۔

۴۰۔ بیع کی تعریف کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختصراً ذکر کیے جاتے ہیں:

فقہ حنفی کی کتب میں بیع کی تعریف بالعموم مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ سے کی گئی ہے۔ (ابن الہمام، السیواسی :فتح القدیر، ۴۹۶/۳؛ الأتاسی محمد خالد ومحمد طاہر: شرح المجلۃ، ۵/۱)

ابن مودود الموصلی نے بیع کی تعریف یوں کی ہے:

مبادلة المال المتقوم بالمال المتقوم تمليكا و تملكا (ابن مودود، عبد الله بن محمود، الموصلی :الاختيار لتعليل المختار، ۳/۲)

ان تعریفوں کی روشنی میں یہ امر سامنے آتا ہے کہ بیع کسی مال متقوم ہی کی ہوسکتی ہے لیکن یہ واضح نہیں ہوتا کہ حقوق یا منافع کی بیع بھی ہوسکتی ہے یا نہیں۔

علاء الدین حصکفی نے ملتقی الابحر کی شرح میں ایسی تعریف کی ہے جو بیع کو اعیان کے ساتھ محدود کر دیتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

والمراد بالمال عين يجرى فيه التنافس والا بتذال (الحصكفی، علاء الدين :الدر

المنتقى شرح ملتقى الابحر،۲/۳)

(مال سے مراد ایسا عین ہے جس کی لوگوں میں رغبت اور حرص پائی جائے اور اس کا استعمال کیا جاتا ہو۔)

مال کی تعریف میں اس بات کی صراحت کہ وہ اعیان میں سے ہونی چاہیے، اگرچہ حصکفی کے علاوہ کسی اور حنفی فقیہ کے یہاں یہ تعریف نہیں ملتی تاہم متاخرین فقہاء احناف کے کلام اور ان کی تعریفات سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ مال کی تعریف میں عینیّت کا لحاظ ضروری ہے اور یہ کہ مال محض مادی چیزوں میں محدود ہو، منافع اور حقوقِ مجردہ کو شامل نہ ہو۔ اسی بنا پر فقہاء احناف نے منافع اور حقوقِ مجردہ کی بیع جائز نہ ہونے کی صراحت کی ہے۔

فقہاء شافعیہ کے یہاں بیع کی تعریف میں منفعت کی دائمی بیع بھی شامل ہے، چنانچہ علامہ احمد بن عمر الشاطری بیع کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

البيع لغة مقابلة شيء بشيء، وشرعاً :عقد معاوضة مالية تفيد ملك عين، او منفعة على التابيد (الشاطری، احمد بن عمر :الياقوت النفيس في مذهب ابن ادريس،٧٤)

(لغت میں بیع ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کا نام ہے لیکن اصطلاحِ شریعت میں بیع مالی معاوضہ کے عقد کا نام ہے جس کے ذریعہ کسی چیز یا کسی منفعت پر دائمی ملکیت حاصل ہو۔)

اس تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ دائمی منفعت کا حق فقہاء شافعیہ کے نزدیک مال ہے جس کی خرید وفروخت جائز اور بیع کی تعریف میں شامل ہے۔

فقہاء حنابلہ بیع کی تعریف یوں کرتے ہیں:

بیع ایک مالیت رکھنے والی چیز کا تبادلہ ہے یا مطلق مباح منفعت کا تبادلہ ہے جس کی اباحت کسی ایک حال کے ساتھ مخصوص نہ ہو (البهوتي، منصور بن يونس :شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولى النهى،۲/۵)

مالکیہ کے یہاں بیع کی مشہور تعریف یہ ہے:

عقد معاوضة على غير منافع ولا متعة لذة (الحطاب الرُّعيني، شمس الدين، محمد بن محمد :مواهب الجليل، ٤/٢٢٥)

(بیع ایسا عقد معاوضہ ہے جو منافع پر نہ کیا جائے اور نہ ہی لذت حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔)

اس تعریف سے اجارہ، کرایہ داری اور نکاح نکل جاتے ہیں۔تعریف کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مالکیہ کے نزدیک بیع مادی اشیاء ہی کی ہو سکتی ہے، منافع اور حقوق کی نہیں۔مگر اس کے ساتھ ساتھ مالکیہ ہی کی بعض فروغ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک منافع اور حقوق کی بیع جائز ہے۔زرقانی نے مؤطا کی شرح میں بیع کی اقسام میں سے ایک قسم منفعت کی بیع بھی ذکر کی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

البيوع جمع بيع، وجمع لاختلاف انواعه، كبيع العين، وبيع الدين وبيع المنفعة (الزرقانى، محمد بن عبد الباقى :شرح موطأ الإمام مالك،۳/۹٤)

(بیوع، بیع کی جمع ہے۔اس کی جمع اس لیے لائی گئی ہے کہ اس کی مختلف قسمیں ہیں جیسے عین کی بیع، دین کی بیع اور منفعت کی بیع۔)

فقہاء کی مذکورہ بالا آراء سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ جن فقہاء نے بیع کی تعریف مال کا تبادلہ مال سے کرنا سے کی ہے اور مال کے مفہوم کو عین کے ساتھ خاص کیا ہے، انہوں نے ان حقوق کی بیع سے منع کیا ہے۔کیوں کہ یہ حقوق مادی نہیں ہیں اور جن فقہاء نے بیع کی تعریف کے ساتھ منافع کو بھی شامل کیا ہے۔ انھوں نے ان حقوق کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

۴۱۔ الحصكفى، علاء الدين:الدر المختار، ٥/٨٠

۴۲۔ المرغينانى، على بن ابى بكر :الهداية شرح بداية المبتدى، ٣/٤٦

۴۳۔ الحصكفى، علاء الدين:الدر المختار، ٥/٨٠

۴۴۔ ابن عابدين، محمد امين :حاشية رد المحتار على الدر المختار، ٥/١٩٩۔

۴۵۔ الشروانى، عبد الحميد :حواشى الشروانى على تحفة المحتاج بشرح المنهاج، ٤/٢١٥۔

۴۶۔ البهوتى، منصور بن يونس :شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولى النهى، ٢/٥۔

۴۷۔ مالك بن أنس، الامام :المدونة الكبرى، ١٠/٢١٨۔

۴۸۔ حقِ تعلّی مکان کی چھت پر مکان بنانے کے حق کو کہتے ہیں۔(د .محمد روا قلعة جى و د .حامد صادق قنيبى :معجم لغة الفقهاء، ١/١٣٧)۔

۴۹۔ ابن عابدين، محمد امين :حاشية رد المحتار على الدر المختار، ٥٢/٢

۵۰۔ المرغيناني، على بن ابى بكر :الهداية شرح بداية المبتدى، ٤٦/٣۔

۵۱۔ الشاطرى، احمد بن عمر :الياقوت النفيس فى مذهب ابن ادريس، ٧٤

۵۲۔ البهوتى، منصور بن يونس :كشاف القناع عن متن الإقناع، ٤٠٣/٣، ٤٤٤۔

ابن تيمية تقى الدين احمد بن عبد الحليم :المحرر فى الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، ٣٤٣/١۔

۵۳۔ مالك بن أنس، الامام :المدونة الكبرى، ٢١٩/٤۔

۵۴۔ بیعِ غرر ایسی بیع ہے جس میں مبیع کے ضائع ہونے کی وجہ سے معاہدہ فسخ ہونے کا خدشہ ہو یا جس کا انجام نامعلوم ہو کہ وہ ہوگی یا نہیں۔ (الجرجانی علی بن محمد :التعریفات، ۱/۶۹، ۲۰۸.

۵۵۔ جہالت سے مراد کسی چیز کی قیمت یا مبیع کے بارے میں لاعلمی ہے۔ (د. محمد رواقلعة جی ود. حامد صادق قنیبی : معجم لغة الفقہاء، ۱/۱۶۸)

۵۶۔ ابن الهمام، السيواسى :فتح القدير، ۴۲۹/۶

۵۷۔ البابرتى، محمد بن أحمد الحنفى :العناية شرح الهداية، ٤٢٨/٦.

۵۸۔ السّرخسى، محمّد بن أبى سهل :المبسوط، ۱۷۱/۲۳

۵۹۔ مالك بن أنس، الامام :المدونة الكبرى، ۲۸۹/۴–۲۹۰.

۶۰۔ ابن قدامة، عبد الله بن أحمد، المقدسى :المغنى، ٢٩٨/٤.

۶۱۔ الخطيب الشربينى، محمد :مغنى المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج، ١٩١/٢۔

۶۲۔ الحصكفى، علاء الدين:الدر المختار، ٨٠/٥۔

۶۳۔ المرغيناني، على بن ابى بكر :الهداية شرح بداية المبتدى، ٤٦/٣۔

۶۴۔ الحصكفى، علاء الدين:الدر المختار، ٨٠/٥۔

المرغيناني، على بن ابى بكر :الهداية شرح بداية المبتدى، ٤٦/٣۔

۶۵۔ مالك بن أنس، الامام :المدونة الكبرى، ١٩٢/٦۔

ابن قدامة، عبد الله بن أحمد، المقدسى :المغنى، ٥٤٧/٤۔

۶۶۔ الکاسانی، أبوبکر بن مسعود :بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ٤/١٨١۔

۶۷۔ الشاطری، احمد بن عمر :الیاقوت النفیس فی مذھب ابن ادریس، ٧٤

۶۸۔ البھوتی، منصور بن یونس :کشاف القناع عن متن الإقناع، ٤٠٨/٣

۶۹۔ مالك بن أنس، الامام :المدونة الکبری، ٢١٨/٤۔

۷۰۔ البیھقی، أحمد بن الحسین، أبو بکر :سنن البیھقی الکبری، حدیث نمبر١٢١٢٢، ١٤٢/٦، کتاب إحیاء الموات، باب مَنْ أَحْیَا أَرْضًا مَیْتَةً لَیْسَتْ لأَحَدٍ وَلاَ فِی حَقِّ أَحَدٍ فَهِیَ لَهُ۔

۷۱۔ البخاری، ابو عبدالله، محمد بن اسماعیل :صحیح البخاری، حدیث نمبر٢٣٣٥، ٦٢/٦، کِتَاب الْمُزَارَعَةِ، بَاب مَنْ أَحْیَا أَرْضًا مَوَاتًا۔

۷۲۔ الترمذی، ابو عیسی، محمد بن عیسی :سنن الترمذی، حدیث نمبر١٢٩٩، ٢٤٧/٥، کِتَاب الْأَحْکَامِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، بَاب مَا ذُکِرَ فِی إِحْیَاءِ أَرْضِ الْمَوَاتِ؛

۷۳۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی :سنن ابی داؤد حدیث نمبر٢٦٧١، ٣١٣/٨، کِتَاب الْخَرَاجِ وَالْإِمَارَةِ وَالْفَیْءِ، بَاب فِی إِحْیَاءِ الْمَوَاتِ۔

۷۴۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی :سنن ابی داؤد حدیث نمبر٢٦٧٣، ٣١٥/٨، کِتَاب الْخَرَاجِ وَالْإِمَارَةِ وَالْفَیْءِ، بَاب فِی إِحْیَاءِ الْمَوَاتِ۔

۷۴۔ النووی، محی الدین بن شرف :المجموع شرح المھذب، ٤٧١/١٤۔

۷۵۔ الخطیب الشربینی، محمد : مغنی المحتاج إلی معرفة ألفاظ المنھاج، ٣٦٧/٢۔

۷۶۔ ابن قدامة، عبد اللّٰه بن أحمد، المقدسی :المغنی، ٥٦٩/٥۔

۷۷۔ العینی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد :عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ١٧٣/٣٥۔

۷۸۔ الحصکفی، علاء الدین: الدر المختار، ٥١٩/٤-٥٢٠۔

۷۹۔ ابن شھاب الدین، محمد بن أحمد بن الرملی :نھایة المحتاج إلی شرح

المنهاج،۹ ۱۳/۱۹۔

۸۰۔ المرداوی، علی بن سلیمان الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف، ٧٦/٦۔

۸۱۔ وهبة الزحیلی :الفقه الإسلامی وأدلته، ٥٥٥/٨۔

۸۲۔ البیهقی، أحمد بن الحسین، أبو بكر : سنن البیهقی الكبری، حدیث نمبر۱۲۱۲۲، ١٤٢/٦، كتاب إحیاء الموات، باب مَنْ أَحْیَا أَرْضًا مَیْتَةً لَیْسَتْ لأَحَدٍ وَلاَ فِی حَقِّ أَحَدٍ فَهِیَ لَهُ۔

۸۳۔ علی الخفیف :احكام المعاملات، ٢٦

الزرقا، مصطفی احمد :الفقه الاسلامی فی ثوبه الجدید، ١٥٤/١؛

السّرخسی، محمّد بن أبی سهل :المبسوط، ٧٩/١١۔

۸۴۔ البهوتی، منصور بن یونس :شرح منتهی الإرادات، ١٤٢/٢۔

الكاسانی، أبوبكر بن مسعود :بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،٣٥٦/٧۔

ابن عابدین، محمد امین :حاشیة رد المحتار علی الدر المختار، ١١/١؛

الشاطبی، إبراهیم بن موسی :الموافقات فی أصول الفقه، ١٧/٢؛

الهیثمی، أحمد بن حجر :تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، ٢١٥/٤۔

۸۵۔ **اجارہ ایسا عقد ہے جس میں مالی معاوضے کے بدلے آدمی منافع کا مالک بنتا ہے جب کہ اعارہ میں بلا معاوضہ۔** (الجرجانی علی بن محمد : التعریفات، ٢٣/١)

۸۶۔ **اعارہ مالی معاوضے کے بغیر منافع کا مالک بننے کو کہتے ہیں۔** (الجرجانی علی بن محمد: التعریفات، ٤٧/١)

۸۷۔ البخاری، ابو عبدالله، محمد بن اسماعیل : صحیح البخاری، حدیث نمبر۲۳۹۸، ١٥٢/٦، كِتَاب فِی الِاسْتِقْرَاضِ وَأَدَاءِ الدُّیُونِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِیسِ، بَاب الصَّلَاةِ عَلَی مَنْ تَرَكَ دَیْنًا؛

مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری :صحیح مسلم، حدیث نمبر۳۰۴۳، ٣٥٤/٨، كِتَاب الْفَرَائِضِ، بَاب مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ۔

مصادرومراجع

۱۔ القران الكريم

۲۔ ابن الهمام، محمد بن عبد الواحد، السيواسى :فتح القدير، دار الفكر، بيروت، س۔ن

۳۔ ابـن تيمية تقى الدين احمد بن عبد الحليم :المحرر فى الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، مكتبة المعارف، الرياض، الطبعة :الثانية، ١٤٠٤هـ/١٩٨٤م۔

۴۔ ابـن شهاب الدين، محمد بن أحمد بن الرملى :نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، دار الفكر، بيروت، ١٤٠٤هـ/١٩٨٤م۔

۵۔ ابـن عـابـدين، محمد امين الشهير :حـاشية رد المحتـار على الدر المختار، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، ١٤١٥هـ/١٩٩٥م۔

۶۔ ابن قدامة، عبد اللّٰه بن أحمد، المقدسى :المغنى، مكتبة القاهرة، ١٣٨٨هـ/١٩٦٨م۔

۷۔ ابن منظور، محمد بن مكرم الافريقى :لسان العرب، دار صادر، بيروت، الطبعة :الثالثة، ١٤١٤هـ۔

۸۔ ابـن مودود ، عبـد الله بن محمود، الموصلى :الاختيـار لتعليل المختار، تحقيق :عبد اللطيف محمد عبد الرحمن، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٢٦هـ/٢٠٠٥م۔

۹۔ ابـن نجيم، زَيْنُ العابدين بن إبراهيم: الأشبـاه والنّظائر على مذهب أبى حنيفة النّعمان، دارالكتب العلمية، بيروت، ١٤٠٠هـ/١٩٨٠م۔

۱۰۔ ابو داؤد، سليمان بن الاشعث، السجستانى : سنن ابى داؤد، دار احياء التراث العربى، بيروت س ن۔

۱۱۔ الأتاسى، محمد خالد ومحمد طاهر :شرح المجلة، مطبعة حمص، حمص، ١٩٣٧م۔

۱۲۔ البابرتى، محمد بن أحمد الحنفى :العناية شرح الهداية، دار الفكر، س۔ن

۱۳۔ البخارى، ابو عبدالله، محمد بن اسماعيل :صحيح البخارى، دار طوق النجاة الطبعة : الاولى، ١٤٢٢هـ

۱۴۔ البركتي، عميم الإحسان :التعريفات الفقهية، دار الكتب العلمية، بيروت، ۲۰۰۳م۔

۱۵۔ البهوتي، منصور بن يونس :شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولى النهى، عالم الكتب، بيروت، ١٩٩٦م۔

۱۶۔ البهوتي، منصور بن يونس :كشاف القناع عن متن الإقناع، تحقيق :هلال مصيلحى مصطفى هلال، دار الفكر، بيروت، لبنان، ١٤٠٢هـ

۱۷۔ البيهقى، أحمد بن الحسين، أبو بكر :سنن البيهقى الكبرى۔

۱۸۔ الترمذى، ابو عيسى، محمد بن عيسى :سنن الترمذى، دار الدعوة استنبول، ١٤٠١هـ

۱۹۔ الجرجاني، على بن محمد :التعريفات، تحقيق :إبراهيم الأبيارى، دار الكتاب العربى بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٥ـ

۲۰۔ الجرجاني، على بن محمد :التعريفات، تحقيق :إبراهيم الأبيارى، دار الكتاب العربى بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٥ـ

۲۱۔ الجرجاني، على بن محمد :التعريفات، تحقيق :إبراهيم الأبيارى، دار الكتاب العربى بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٥ـ

۲۲۔ حامد صادق قنيبى :معجم لغة الفقهاء،

۲۳۔ الحصكفى، علاء الدين :الدر المختار، دار الفكر، بيروت، لبنان، ١٣٨٦ هـ،

۲۴۔ الحصكفى، علاء الدين :الدر المنتقى شرح ملتقى الابحر، تحقيق :خليل عمران المنصور، طباعة دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة :الأولى، س۔ن

۲۵۔ الحطاب الرُّعينى، شمس الدين، محمد بن محمد :مواهب الجليل، دار الفكر، بيروت، لبنان، ١٣٨٩هـ

۲۶۔ الخطيب الشربينى، محمد :مغنى المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج، دار الفكر، بيروت، لبنان، س۔ن

۲۷۔ الزرقا، مصطفى احمد :الفقه الاسلامى فى ثوبه الجديد، مطبعة الحياة، دمشق، ١٩٦٤م۔

۲۸۔ الزرقا، مصطفی احمد :الفقه الاسلامی فی ثوبه الجدید، مطبعة الحیاة، دمشق، ١٩٦٤م۔

۲۹۔ الزرقانی، محمد بن عبد الباقی :شرح موطأ الإمام مالك، دار الکتب العلمیة، بیروت، ١٤١١ھ

۳۰۔ السّرخسی، محمّد بن أبی سهل :المبسوط، تحقیق :خلیل محی الدین المیس، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، الطبعة :الأولی، ١٤٢١ھ/٢٠٠٠م۔

۳۱۔ السنهوری، عبدالرزاق : مصادر الحق فی الفقه الاسلامی، مکتبة الحلبی الحقوقیة، بیروت، الطبعة :الأولی، ١٩٩٨م۔

۳۲۔ الشاطری، احمد بن عمر :الیاقوت النفیس فی مذهب ابن ادریس، دار الشروق، ١٩٧٩م جده۔

۳۳۔ الشروانی، عبد الحمید :حواشی الشروانی علی تحفة المحتاج بشرح المنهاج۔

۳۴۔ علی، محمّد الخفیف :احکام المعاملات، دار الفکر العربی، القاهرة، الطبعة :الأولی، ١٩٩٦م۔

۳۵۔ علی، محمّد الخفیف :احکام المعاملات، دار الفکر العربی، القاهرة، الطبعة :الأولی، ١٩٩٦م۔

۳۶۔ العینی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد :عمدة القاری شرح صحیح البخاری، الملتقی اهل الحدیث، ٢٠٠٦م۔

۳۷۔ الفیروزآبادی، مجد الدین أبو طاهر محمد بن یعقوب : القاموس المحیط، تحقیق: مکتب تحقیق التراث فی مؤسسة الرسالة، بإشراف :محمد نعیم العرقسُوسی، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان،الطبعة:الثامنة، ١٤٢٦ھ/٢٠٠٥م۔

۳۸۔ قدری پاشا :مرشد الحیران، المطبعة الامیریة، ببولاق، مصر، ١٣٠٨ھ

۳۹۔ الکاسانی، أبوبکر بن مسعود :بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة :الثانیة ١٤٠٦ھ/١٩٨٦م۔

۴۰۔ مالك بن أنس، الامام :المدونة الكبرى، دار صادر ، بيروت ، لبنان، س۔ن

۴۱۔ محمد موسى ، يوسف ، الدكتور :الاموال ونظرية العقد فى الفقه الاسلامى،

۴۲۔ المرداوى، على بن سليمان :الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف، دار إحياء التراث العربى بيروت، لبنان، الطبعة :الأولى، ١٤١٩هـ

۴۳۔ المرغينانى، على بن ابى بكر :الهداية شرح بداية المبتدى، المحقق : طلال يوسف، دار احياء التراث العربى -بيروت

۴۴۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيرى :صحيح مسلم، دار السلام الرياض، ٢٠٠٢م۔

۴۵۔ النووى، محى الدين بن شرف :المجموع شرح المهذب، دار عالم الكتاب، بيروت، ١٤٢٣هـ/٢٠٠٣م۔

۴۶۔ وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت : الموسوعة الفقهية الكويتية، دارالسلاسل، الكويت، الطبعة :الثانية، ١٤٠٤هـ ١٤٢٧هـ۔۔۔

۴۷۔ وهبة الزحيلى :الفقه الإسلامى وأدلته، دار الفكر، سوريّة، دمشق، س۔ن